مطبوعات

تدوین فقہ۔ از مولانا سید مناظر احسن گیلانی، صدر شعبۂ دینیات، جامعہ عثمانیہ۔ مطبوعہ مجموعہ تحقیقات علمیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن، قیمت معلوم نہیں۔

تدوین فقہ کے عنوان سے مولانا سید مناظر احسن صاحب کا ایک سلسلۂ مضامین بعض رسائل میں نکل چکا ہے۔ وہی مضامین اس رسالہ میں یکجا شائع کر دیے گئے ہیں۔ اگرچہ یہ سلسلہ ابھی نامکمل ہے تاہم تقریباً سوا سو صفحے کا ٹائپ میں چھپا ہوا اچھا خاصہ رسالہ ہے۔ مولانا کی تصنیفات میں سائنٹفک ترتیب نہیں ہوتی، اس وجہ سے ان لوگوں کو ان کی کتابوں سے اخذ مطلب میں زحمت ہوتی ہے جو تھوڑی فرصت میں کسی کتاب کے مالہٗ وماعلیہ کو سمجھنا چاہتے ہیں تاہم ان کے بیان میں ایک وسعت ہوتی ہے جو ان کے طرز تحریر کی غرابت کے باوجود ان کی وسعت مطالعہ کی وجہ سے دلچسپ اور مفید بن جاتی ہے۔

اس رسالہ کی تمہید اچھی ہے۔ مولانا نے جس نہج سے اس کو اٹھایا تھا اگر اسی نہج سے اس کو بٹھانے کی کوشش کرتے اور اصل موضوع دوسری بحثوں میں گم نہ ہو جاتا تو یہ نہایت مفید رسالہ بنجاتا اور وقت کے بعض اہم شبہات کو دور کرنے میں مدد دیتا لیکن مولانا اپنے قلم کی روانی میں اکثر اصل بحث کے سررشتہ کو بھول کر دوسری بحثوں میں نکل جاتے ہیں اور اس طرح کی ژولیدہ بیانی اور بے ربطی کے ساتھ اپنے کلام کی افادیت کو ابن تیمیہ کے سوا کوئی اور باقی نہیں رکھ سکا۔

اس رسالہ میں بعض باتیں خاص طور پر قابل توجہ نظر آئیں مثلاً ایک یہ بحث کہ خبر احاد کو شہرت سے بچانا اور ان کو صرف افراد ہی کے اندر ہی محدود رکھنا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر تھا اور خلفائے راشدین نے باضابطہ ایک اسکیم بنا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس منشا کو پورا کرنے کی کوشش کی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی جمع کردہ روایات کا مجموعہ جو جلا دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کثرت روایات سے جو لوگوں کو عموماً روکا اور بسا اوقات سزائیں تک دیں تو اس کی وجہ یہی تھی کہ جن باتوں کو پیغمبر شہرت عام کا درجہ نہیں دینا چاہتے تھے ان کی روک تھام کے بغیر اندیشہ تھا کہ وہ افسانۂ بزم و انجمن بن جائیں۔ مولانا کے خود اپنے الفاظ یہ ہیں:-

> "ان الفاظ سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ جن راویوں کو خبر الخاصہ عن الخاصہ سے [illegible] پیغمبر پہنچانا چاہتے تھے وہ نقل العامہ عن العامہ کی شکل اختیار کریں گی یعنی اگر صحابہ ہی میں بکثرت روایت کرنے والے ان حدیثوں کے پیدا ہو جائیں گے تو نبوت جن مطالبات میں خفت پیدا کرنا چاہتی ہے ان میں اسی قسم کی شدت آئندہ چل کر پیدا ہو جائے گی جیسے صرف قرآنی مطالبات اور ان کی تفصیلات و عملی تشکیلات تک قصداً محدود رکھنے کی کوشش کی گئی ہے جن کی تعمیل عام حالات میں ہر مسلمان کے لیے ناگزیر اور ضروری ہے۔"

مولانا کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات کچھ مشکل نہ تھی کہ آنحضرت صلعم کے تمام ارشادات اور اعمال بھی اس طرح شہرت اور تواتر قولی و عملی کا درجہ حاصل کر لیں جس طرح قرآن، نماز پنجوقتہ، اور ارکان حج وغیرہ نے اختیار کر لیا لیکن آنحضرت صلعم نے یہی چاہا کہ آپ کی یہ تعلیمات عام نہ ہوں تاکہ لوگوں کے لیے ان میں ڈھیل باقی رہے اور لوگ ان کے ضعف، عدم شہرت، راوی کی غلط فہمی، سہو، حفظ وغیرہ کے

اندیشوں کی بنا پر ان پر گفتگو نہیں کریں اور بعض حالات میں ان کو چھوڑ کر مختلف راہیں اختیار کر سکیں اور ہر طرح کے لوگوں کے لیے دین کے دائرہ میں گنجائش پیدا ہو جائے۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں:۔

"سچ تو یہ ہے کہ اسلام سے جو لوگ قصداً و اختیاراً ہی نکلنے پر آمادہ ہوں ان کوتاہ نصیبوں کا تو کوئی علاج نہیں ورنہ یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ جو اسلام کے دائرہ میں جینا اور مرنا چاہتا ہے وہ پائے گا کہ گنجائشوں کے پیدا کرنے میں اسلام نے کوئی کمی نہیں کی ہے۔"

ان گنجائشوں کی نوعیت کو خود مولانا کے الفاظ میں مثالوں سے سمجھ لیجئے۔

"حنفی مذہب کی عام کتابوں میں مذکورہ بالا امور اور ان کے سوا بھی اس کے دیگر متعلقات کے باب میں جو متفرق چیزیں نشہ آور عرقیات و مشروبات کے متعلق ملتی ہیں، اور مالکی مذہب کا جو توسیعی نقطۂ نظر ماکولات کے متعلق ہے اگر ان کو سامنے رکھ لیا جائے جو ظاہر ہے کہ انسانی زندگی کا ایک جزئی و جزئی مسئلہ ہے۔ لیکن ایسے ممالک جیسے شمالی و جنوبی قطب کا حال ہے سنا جاتا ہے کہ وہاں کے باشندوں کی گذر اوقات صرف مچھلیوں پر ہے یا اگر مچھلی نہ ملی تو دوسرے بحری جانوروں کے کھانے پر مجبور ہیں۔ اگر یہ قوم مسلمان ہونا چاہے تو کیا غذائی حیثیت سے وہ مالکی مذہب کی ماکولاتی وسعتوں سے نفع اٹھا کر اسلام کے دائرہ میں اپنے آپ کو باقی نہیں رکھ سکتی یا نشہ آور عرقیات کے سلسلہ میں آج مغربی تمدن کے تسلط کی بدولت دواؤں میں، رنگوں میں، وارنشوں میں اور بھی مختلف چیزوں میں الکحل کے استعمال کا عمومی ابتلا جو پایا جاتا ہے جن میں غیروں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے عوام کی بھی ایک بڑی تعداد دنیا کے اکثر حصوں میں شریک ہے جیسا کہ سنا جاتا ہے کہ الکحل کا یہ جوہر عموماً غیر خمری عرقوں سے نکالا جاتا ہے اور کلیۃً یہ نہ بھی صحیح ہو جب بھی ہر قسم کے الکحل کا خالص خمری عرقیات ہی سے تیار ہونا یقیناً غیر ضروری ہے ایسی صورت میں یہ جانتے ہوئے کہ ہمارے مذہب میں الکحل قطعاً حرام و نجس ہے مسلمانوں میں جو لوگ اس کے استعمال میں لاپروائیوں بلکہ بسا اوقات مخالفانہ اصرار و تمرد سے کام لے کر جس عصیان بلکہ بغاوت کے مرتکب ہو رہے ہیں کیا الخمر کے متعلق جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطۂ نظر ہے اور حنفی مذہب میں اس کے متعلق جو تفصیلات پائی جاتی ہیں ان کو پیش نظر رکھ کر ان مسلمانوں کے جرم کو کیا ہلکا نہیں بنایا جا سکتا؟"

اس اقتباس کے بعد مولانا کا منشا بالکل واضح ہو گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء اگر روک تھام نہ کرتے اور تمام حدیثیں شہرت و استفاضہ کے درجہ تک پہنچ جاتیں تو اس سے سب سے بڑی قیامت تو اس امت پر ٹوٹ پڑتی کہ مذہبی اختلافات اور فقہی مسالک و مذاہب کا دروازہ ہی بند ہو جاتا جو عین رحمت کا دروازہ ہے جس سے ہر قوم اور ہر ملک کے لوگ اسلام کے دائرہ کے اندر داخل ہو سکتے ہیں نیز دوسری مصیبت یہ پیش آتی کہ اس زمانہ کے لوگ جو اپنے نفس کی خواہشوں کی پیروی میں بسا اوقات دین سے بے پروائی بلکہ عصیان و تمرد کی صورت اختیار کر لیتے ہیں ان کا دین سے رشتہ ہی کٹ جاتا۔ یہ محض خبر احاد کی عدم شہرت ہی کی برکت ہے کہ جزئیات دین میں کوئی شدت نہ پیدا ہوئی۔ نیز اس کی وجہ سے دین میں اختلافات پیدا ہوئے اور ہر باب میں اتنے مذاہب و اقوال پیدا ہو گئے کہ آج ہم چاہیں تو خدا کے کسی بڑے سے بڑے باغی کی نافرمانیوں کے لیے فقہ کے جزئیات سے کوئی نہ کوئی سند جواز ڈھونڈھ کر اس کی بغاوت کو عبادت بنا دے سکتے ہیں ورنہ کم از کم اس کے جرم کو ہلکا تو کر ہی دے سکتے ہیں۔ مولانا نے اس سلسلہ میں ایک لمبی بحث

اختلاف امتی رحمۃ کے اسرار و نکات پر بھی فرمائی ہے اور اس ذیل میں قرآن مجید سے بھی اس امر کا ثبوت بہم پہنچانے کی کوشش کی ہے کہ لوگوں کا دین کے معاملہ میں اختلاف اور لڑنا جھگڑنا خود اللہ تعالیٰ کو بھی مطلوب ہے اور قاضی بیضاوی اس بات پر شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ آپس میں اختلاف کریں (ص ۱۱۲) ان اسرار کے بیان کرنے میں جہاں کہیں مولانا نے کوئی خلا محسوس کیا ہے وہاں شیخ اکبر اور امام شعرانی کے افادات سے اس خلا کو بھرنے کی کوشش کی ہے جو بجائے خود قابل ملاحظہ ہیں۔

اس رسالہ کا کمن یہی بحث تھی جو ہم نے قارئین کے سامنے رکھدی ہے۔ اس پر تنقید کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اس بات کا افسوس ضرور ہے کہ مولانا نے منکرین حدیث کا رخنہ بند کرنے کے لیے جو کوشش فرمائی اس سے اور سیکڑوں رخنے پیدا ہو گئے۔ اور ان کے ان افکار سے دین سے زیادہ اعدائے دین کو فائدہ پہنچے گا۔ ابھی یہ رسالہ ناتمام ہے ہمیں امید ہے کہ اس کو مکمل حالت میں شائع کرنے سے پہلے مولانا اس کے مطالب پر نظر ثانی فرمائیں گے۔ (ا۔ ل)

اشتراکیت اور اسلام : از مولانا مسعود عالم صاحب ندوی۔ شائع کردہ: دار المصنفین اعظم گڈھ۔ قیمت بلا جلد عہ۔

"سرمایہ داری" کے شیطان کے پنجوں میں جکڑی ہوئی دنیا نجات کی کوئی صورت ڈھونڈھ نکالنے کے لیے انتہائی اضطراب دکھا رہی ہے۔ اس حال میں اس کے سامنے کارل مارکس اور لینن کی امت زندگی کا ایک نیا خاکہ اشتراکیت کے عنوان سے پیش کرتی ہے۔ مگر خود یہ خاکہ جن اساسی نکات پر کھینچا گیا ہے وہ بالکل وہی ہیں جو سرمایہ داری نے اختیار کیے ہیں۔ یعنی دونوں کا نقطۂ نظر، کائنات، حیات اور ذہن انسانی کے متعلق بالکل متحد ہے اور اس اساسی اتحاد کے ہوتے ہوئے اوپری اختلافات کتنے ہی عظیم الشان کیوں نہ ہوں، فساد اور ظلم اور انتہاپسندانہ بے اعتدالی دونوں کا سرمایہ مشترک رہے گا۔ ان دونوں خمیدہ راستوں کے درمیان اعتدال کا "صراط مستقیم" دعوت تحقیق و تفتیش دے رہا ہے اور جناب مولانا مسعود عالم صاحب ندوی نے اسی صراط مستقیم کی طرف دنیا کو متوجہ کرانے کی کوشش کی ہے۔

مولانا ندوی ہمیشہ تحقیقی انداز میں لکھتے ہیں، چنانچہ ان کی پیش نظر کتاب بھی اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ آپ نے لکھنے سے پہلے پڑھا ہے اور سمجھانے سے پہلے سمجھا ہے۔ معتبر کتابوں کے حوالوں کے ساتھ پہلے تو یہ واضح کیا گیا ہے کہ سوشلزم نظری طور پر تھا کیا اور پیش کرنے والوں نے اسے کس طرح پیش کیا اور اس کے ساتھ روسی انقلاب کی تاریخ کا خلاصہ بھی دے دیا گیا ہے جس سے عملی اشتراکیت کی دھندلی سی تصویر سامنے آجاتی ہے۔ اس طرح اشتراکیت کے نظریے اور عملیے میں جو بڑے بڑے تضاد پائے جاتے ہیں ان سے خود بخود اشتراکیت کے مجوزین کی فکری لغزشوں کی طرف توجہ منعطف ہو جاتی ہے۔

معیاری اشتراکیت کے حقیقی مطالبات دو تھے۔ ایک انفرادی ملکیت کا قطعی خاتمہ، دوسرا کامل معاشی مساوات۔ تاریخ اس کی شاہد ہے کہ خوفناک خون خرابوں کے باوجود یہی دو مطالبات انسانی فطرت سے نہ منوائے جا سکے۔ یوں ایک فلسفہ کا میدان عمل میں اپنی جگہ چھوڑ دینا صاف بتاتا ہے کہ اس کی تعمیر حقائق کی مضبوط چٹانوں پر نہیں ہوئی تھی، بلکہ وہ خواہش پرستانہ فکر (Wishful Thinking) کی ریت پر کھڑا کر دیا گیا تھا۔

عملاً اشتراکی انقلاب کا ما حصل "محدود حق ملکیت" اور "محدود معاشی مساوات" سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اور ادھر اسلام کا نظام معاشی بھی تدریجاً یہی دو نتائج پیدا کرتا ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ اشتراکیت انسانیت کے اونچے ملکوتی مطالبات سے آنکھیں بند کر کے معدہ کو فکر کا مرکز بناتی ہے، پھر وہ فرد کو ریاست کے شکنجے میں کس کر اس کے بہت سے فطری حقوق کو سلب کرتی ہے، پھر وہ مجبور ہے کہ انسان کو حیوان قرار دے، پھر اس کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ تصور خدا کی نفی کرے لیکن اسلام تصور خدا ہی سے دوسرے مسائل کے ساتھ معاش کی گرہ کشائی کرتا ہے۔ وہ معدہ کے ساتھ دل و دماغ کے مطالبات کو بھی پورا کرتا ہے، وہ فرد کو پوری فراخ دلی سے فطری حقوق دیتا ہے اور انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کی حیثیت سے دیکھتا ہے جو صرف روٹی کا بھوکا نہیں ہے اور روٹی ہی کے بل پر زندہ نہیں رہتا بلکہ وہ اللہ کی بندہ نوازی کا، اور ایمان و عمل صالح کا بھوکا بھی ہے اور اس کی روح انھیں غذاؤں سے زندہ رہتی ہے۔

مولانا ندوی نے ان دونوں اجتماعی فلسفوں کا تقابل خوبی سے کیا ہے۔ البتہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا فلاسفی سے نکل کر جہاں خالص معاشیاتی نقطۂ نظر سے تقابل کیا گیا ہے، وہاں بحث بالکل تشنہ ہے۔ حالانکہ اشتراکی نظام میں جب معاشیات ہی کو زندگی کا اہم ترین پہلو قرار دیا گیا ہے تو سب سے زیادہ شدید ضرب کا مستحق یہی پہلو ہے، مگر عموماً اس پہلو سے مسلم اہل قلم زکوٰۃ اور میراث اور فے اور غنیمت کے اسلامی ضوابط پر چند جملے کہہ کر بحث ختم کر دیتے ہیں۔ چاہیے یہ کہ ناقدین کے "عمل ترکزِ زر" کو اعداد و شمار کی روشنی میں تفصیلاً پیش کر کے اسلام کے قوانین معاشی کے "عمل نشر زر" کو بھی سائنٹفک طریقہ سے واضح کیا جائے اور ان دونوں عملوں کے مشترک نتیجہ کو بالکل متعین طریقہ سے سامنے لایا جائے۔ دوسرے لفظوں میں "نظریۂ قدر زائد" کی رو سے جو ظلم نظام سرمایہ داری میں وسیع پیمانہ پر رونما ہوتا ہے اس کے ازالہ کے لیے اسلام کے ضوابط کو کافی و وافی ثابت کیا جائے۔ نیز محنت پیشہ طبقہ کے حقوق کے تحفظ کے لیے شرح و بسط سے اسلامی نقطۂ نظر پر بحث ہونی چاہیے۔ ان سارے مباحث کی ترتیب میں جہاں جہاں بالکل جدید احوال اور جدید مسائل کا سامنا ہو وہاں کتاب و سنت کی اٹل حدود کے اندر رہتے ہوئے مجتہدانہ بصیرت سے کام لیا جائے۔

تاہم یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ "اشتراکیت اور اسلام" اپنی ہم موضوع کتابوں میں ایک ممتاز درجہ رکھتی ہے۔ (ن۔ص)

بچوں کی نفسیات : از جناب محمد اختر صاحب۔ شائع کردہ :- ادارۂ اشاعت اردو، حیدر آباد، دکن۔ قیمت مجلد عہ

علم النفس کو تعلیم و تربیت سے بہت گہرا تعلق ہے۔ مائیں اور باپ گھروں میں اور استاد مدرسوں میں اگر مستقبل کے انسان کو تعمیر کرنے کی ذمہ داری اپنے سر لیتے ہیں تو پھر انھیں یہ جاننا چاہیے کہ بچہ کیا ہے؟ اس کے ذہن میں کیا کیا تحریکیں نشو و نما پاتی ہیں؟ وہ خارج سے کس کس طرح اثر پذیر ہوتا ہے؟ اس میں عمر کے ارتقا کے ساتھ کیا کیا دماغی تغیرات ہوتے چلے جاتے ہیں؟ متعلقین کے مختلف سلوک اور رویے اس میں کون کون سی اچھی یا بری صفات کو ابھارتے ہیں؟ وغیرہ! مگر افسوس ہے کہ اردو زبان میں علم النفس پر بہت کم سرمایۂ کتب پایا جاتا ہے اور نفسیات طفلی کے معاملہ میں تو ہنوز "عالم طفلی" ہے۔ جناب شیر محمد اختر صاحب کی پیش نظر کتاب اسی کمی کو ایک حد تک پورا کرتی ہے۔ اگرچہ انگریزی زبان میں اس موضوع پر جو کتابیں پائی جاتی ہیں، یہ کتاب ان کی برابری نہیں کر سکتی، مگر اردو کی حد تک یہ بساغنیمت ہے

اور خصوصاً اس لحاظ سے تو بہت زیادہ قابل قدر ہے کہ سادگی بیان کی وجہ سے عام تعلیم یافتہ والدین اور اساتذہ دونوں کے لیے قابل فہم ہے۔ لیکن دوسری طرف اس میں بنیادی فساد یہ ہے کہ احوال نفس کو یورپ کے تصور انسان اور نظریہ اخلاق کی روشنی میں دیکھا گیا ہے، حالانکہ اس تصور اور اس نظریہ کی آنکھ بھینگی ہے اور اپنے بھینگے پن کی وجہ سے نفس انسانی میں بہت سے ٹیڑھ اسے نظر آتے ہیں۔

بہرحال اس کتاب کا مرکزی پیغام یہ ہے بچہ کو ساختۂ خود دہ سمجھ کر جو مطالبات اس کے سامنے رکھے جاتے ہیں اور جنھیں قبل از وقت پورا کرانے کے لیے جھاڑ جھڑک کے ساتھ لاٹھی استعمال کرنے تک نوبت پہنچتی ہے، ان مطالبات کو ملتوی کیا جائے۔ اس وقت تک جب کہ بچہ انھیں پورا کرنے کے قابل ہو جائے۔ غالباً اس مطالبہ سے بہت سے ذی فہم حضرات بچے کو اپنا ہم سمجھنے سے تائب ہو کر بچہ سمجھنے پر آمادہ ہو جائیں گے اور بھول کی اس ننھی منی نازک پتی پر ان چٹانوں کو لادنے کی مہم سر کرنے سے باز آجائیں گے جنھیں صرف ایک ہوشمند، جوان آدمی ہی اٹھا سکتا ہے۔

جناب مولف نے جابجا واقعاتی مثالوں سے مدد لے کر توضیح بیان کی اچھی کوشش کی ہے مگر پھر بھی مباحث میں ایک طرح کی تشنگی پائی جاتی ہے۔ کہیں کہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے، گویا جلدی میں مختصر نوٹ لکھے گئے ہیں اور ان نوٹوں کے درمیان جو خلا تھے انھیں ایک آدھ فقرے کی مدد سے چھپا تو دیا گیا ہے مگر باضابطہ طریقہ سے پُر نہیں کیا گیا۔ تاہم کتاب قابل مطالعہ ہے۔

سراپائے رسول: مولفہ جناب مولوی اعجاز الحق صاحب قدوسی۔ ناشر:۔ مکتبۂ قدوسی، نام پلی، لال ٹیکری، ا ے (۱۱، ۷) حیدرآباد دکن۔ قیمت مجلد ۸؍

قدوسی صاحب پہلے ایک کتاب "رسول پاک کی صاحب زادیاں" کے نام سے پیش کر چکے ہیں۔ اب موصوف کا دوسرا نتیجہ محنت ہمارے سامنے ہے۔ اس مختصر سی کتاب میں آنحضور صلعم کے معاشرتی و مجلسی اخلاق اور پاکیزہ عادات و اطوار کو بڑی عمدگی سے پیش کیا گیا ہے کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان اپنی پوری شانِ خدا پرستی اور اپنے کمال انسانیت نورانی کے ساتھ آنکھوں کے سامنے جلوہ گر نظر آتا ہے۔ اس سعی کا مقصد یہ ہے کہ زندگی کا بہترین نمونہ نونہالان ملت کے سامنے آجائے اور وہ عملاً اس سے اکتساب فیض کر سکیں۔ اسی مناسبت سے زبان سادہ رکھی گئی ہے۔

کتاب کا پیش لفظ جناب مدیر ترجمان القرآن کا لکھا ہوا ہے۔ (ن۔ ص)

چاند بی بی سلطان: از جناب وزیر حسن صاحب (عثمانیہ)، ناشر:۔ دکن اردو اکاڈمی، ادارۂ شرقیہ، حیدرآباد دکن۔ کاغذ کتابت، طباعت اعلیٰ، گرد پوش اور تصویر سے مزین۔ قیمت مجلد قسم اول ۱۲؍ قسم دوم ۱؍

کتاب ہے تو تاریخ ہند کی مشہور شخصیت چاند بی بی کے کردار پر مگر بقول مؤلف "نہ ناول ہے، نہ ڈرامہ ہے، نہ سوانح ہے، پھر بھی کچھ نہ کچھ ہے"۔ اس "کچھ" میں تاریخی اعتبار سے تو بہت ہی مختصر سا ایک واقعہ بیان ہوا ہے کہ کس طرح چاند بی بی کی شادی علی عادل شاہ کے ساتھ سیاسی طور پر ہوتی ہے۔ مگر ادبی اعتبار سے مؤلف نے واقعہ کی اس مکھی کو گھس گھس کر جس خوبی سے بھنبس بنایا ہے اس پر داد دیے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔

تاریخ نگاری میں افسانہ کی زبان کو پہلے پہل آزاد مرحوم نے استعمال کیا تھا اور اس بدعت کا اثر یہ ہوا کہ الفاظ کے وزن اور ان کی ترتیب اور محاورات کو کھپانے کے لیے واقعات "کا مثلہ" سا ہو کے رہ گیا۔ اب جناب وزیر حسن صاحب نے اس سلسلہ میں قدم

کچھ اور آگے بڑھا کے رکھا ہے اور زبان اور رنگینی بیان، تراکیب اور استعارات اور روزمرہ وغیرہ کا اتنا ہجوم کر دیا ہے کہ کتاب تاریخی ہونے سے زیادہ افسانوی بن گئی ہے۔

کتاب کا مدعا یہ ہے کہ چاند بی بی کی سیرت و سوانح سے ملک کی بہو بیٹیاں استفادہ کریں۔ مگر ہم کیا کہیں کہ ایک مسلمان کے نقطۂ نظر سے کوئی بیٹی محض اس خوبی کی وجہ سے عورتوں کے لیے اسوہ نہیں بن سکتی کہ وہ سپاہیانہ بہادری سے بہرۂ وافر رکھتی ہے یا اپنی خاندانی ریاست کی محبت کا عمیق جذبہ دل میں رکھتی ہے۔ نہیں، اسوہ بننے کیلیے اور بہت کچھ چاہیے۔ چاند بی بی مغلئی تہذیب کا کیسا ہی باکمال نمونہ ہو مگر وہ "اسلامی تہذیب" کے سمندر کا درِ شہوار نہیں ہے مولف کے الفاظ میں خود تاریخی ہیروئن اپنا تعارف یوں کراتی ہے:-

"بڑوں کا ادب کرتی ہوں، چھوٹوں کا لحاظ رکھتی ہوں، دوسروں کے سکھ سے مجھے سکھ ملتا ہے اور دوسروں کے دکھ میں دکھ۔ ہاں مگر گاتی ہوں، تصویریں اتارتی ہوں، دن دیئے کھلی ہوا چمکتی دھوپ میں سیر و شکار کر جاتی ہوں۔ (یہ اضافہ بھی کر لیا جائے کہ شطرنج اور چوسر کھیلتی ہوں)۔ یوں راگ رنگ اور روشنی سے لگاؤ ہے اور یہ برائی ہے تو اے اللہ بخش دے۔"

"ہاں مگر" کہنے سے پہلے چاند بی بی اسلامی تہذیب کی بیٹی نظر آتی ہے مگر اس "مگر" کے بعد وہ اپنی زندگی کے غیر اسلامی عناصر کی طرف فخریہ انداز میں توجہ دلاتی ہے۔

پس چاند بی بی کی شخصیت کو جو تاریخی اہمیت حاصل ہے اسے بہ حیثیت مورخ سامنے لانا اور اس سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ تحقیق کرنا تو یقیناً علمی خدمت ہوگی مگر اسے مسلم معاشرہ کی اصلاح کے لیے نمونہ کے طور پر پیش کرنے کی کو نظر نہیں آتی۔

ایک ضروری تصحیح

جناب مولانا مسعود عالم صاحب ندوی نے مولانا عبدالماجد صاحب کے ترجمۂ قرآن پر جو تبصرہ ترجمان القرآن کے پچھلے نمبر میں لکھا تھا اس میں ان سے ایک اہم فروگذاشت ہوگئی ہے۔ اب انھوں نے اپنے گرامی نامہ کے ذریعہ اس پر خود ہی گرفت کی چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:-

"صحیح صورت یہ ہے کہ عربی الفاظ کو انگریزی رسم الخط میں املا کرتے ہوئے "ح" کی جگہ "ḥ" (نقطہ کے ساتھ) اور اسی طرح "غ" کی جگہ "ġ" کو استعمال کرنا چاہیے۔ نیز "ش" کے لیے "Ş" کی شکل کا اختیار کرنا صحیح ہے۔ جس طرح "خ" کے لیے "Ḫ" کی شکل تجویز کی گئی ہے۔